# شادی بیاہ

- ولیمے کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے
- انگریزی زبان میں شادی کارڈ
- رات کو شادیوں کا انعقاد
- سلامی یا نیوتہ
- عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

از

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

مشیر: وفاقی شرعی عدالت ۔ پاکستان

## برائی ومنکرات پر مشتمل شادی تقریب کے بارہ میں

## شیخ محمد صالح المنجد کافتویٰ

۱۔ برائی اور منکرات پر مشتمل تقریب مثلاً دف کے علاوہ باقی آلات گانا بجانا جس میں ڈھول باجا اور موسیقی شامل ہو، یا پھر مرد وعورت کے اختلاط پر مشتمل ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور برائی و منکرات پائی جائیں تو اس میں شرکت کرنا جائز نہیں، لیکن ایسا شخص جا سکتا ہے جو اس برائی کو روکنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور اس کا ظن غالب ہو کہ اس کے روکنے سے برائی رک جائیگی۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

جب اسے کسی ایسی تقریب اور ولیمہ میں دعوت دی جائے جس میں معصیت ونافرمانی ہو مثلاً شراب نوشی اور گانا بجانا پایا جائے اور اس کے لئے اس برائی کو روکنا اور ختم کرنا ممکن ہو تو اس کا اس تقریب میں جانا اور اس برائی سے روکنا لازم ہے، کیونکہ اس طرح وہ دو فرض ادا کریگا ایک تو اپنے مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کریگا، اور دوسرا برائی کو ختم کریگا۔

لیکن اگر وہ اس کو نہیں روک سکتا تو وہاں نہ جائے، اور اگر اسے اس تقریب میں جا کر معصیت و برائی کا علم ہو تو وہ اس سے روکے، اور اگر روک نہیں سکتا تو وہاں سے واپس آجائے، امام شافعی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔'' انتھی دیکھیں؟ المغنی ابن قدامہ (۷/۲۱۴)

۲۔ اگر آپ کا شادی میں جانا اور کھانا پکانے میں شریک ہونے وغیرہ میں برائی سننے یا برائی کے اقرار یا معاونت نہیں ہوتی مثلاً برائی والی جگہ دور ہو جہاں سے آپ کو آواز نہیں آتی، یا پھر برائی شروع ہونے سے قبل آپ وہاں سے واپس چلی جائیں تو پھر آپ کا وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں، آپ کو چاہئے کہ آپ انہیں نصیحت کریں اور ان کے سامنے اس برائی کا حکم بیان کریں۔

ترجمہ :موقع الإسلام سؤال وجواب تنسیق بموقع islamhouse

# ولیمے کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے

شادی کی تقریبات میں ولیمہ ایک ایسا عمل ہے جو مسنون ہے، یعنی نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود بھی اپنی شادیوں کا ولیمہ کیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد اللہ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اللہ نے زندگی کے ایک نہایت اہم اور نئے موڑ پر مدد فرمائی اور اسے ایک ایسا رفیق حیات اور رفیق سفر عطا فرما دیا جو اس کے لیے تفریح طبع اور تسکین خاطر کا باعث بھی ہوگا اور زندگی کے نشیب و فراز میں اس کا ہم دم، ہم درد اور مددگار بھی۔

اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ اسلام میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اِطعامِ طعام (کھلانے پلانے) کا اہتمام کیا جائے۔ اولاد اللہ کی نعمت ہے، اس کے ملنے پر حکم ہے کہ جانور قربان کرو اور خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اولاد میں لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لیے اس کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم ہے۔ یعنی بقدر مسرت اطعامِ طعام۔ لڑکی بھی اللہ کی نعمت ہے، اس کی ولادت پر زمانۂ جاہلیت کی طرح غم واندوہ کا اظہار نہیں کرنا بلکہ اظہار مسرت ہی کرنا ہے، گو لڑکے کے مقابلے میں کم ہی سہی، اس لیے ایک جانور قربان کر دو۔

نکاح بھی نوجوان جوڑے کے لیے بلکہ دونوں خاندانوں کے لیے بھی خوشی کا ایک موقع ہے، اللہ نے دونوں خاندانوں کو ایک نہایت اہم فیصلے کی ادائیگی سے نواز دیا اور نوجوان جوڑے کے لیے بھی خوشی کا موقع ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا جیون ساتھی میسر آ گیا ہے جو ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوگا اور شاہراہِ زندگی میں ایک دوسرے کا ہم سفر بھی۔ لیکن اسلام زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کا قائل ہے اور حد سے تجاوز کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے اس کے نزدیک اظہارِ مَسرت میں بھی اعتداء (حد سے تجاوز) اور اسراف (فضول خرچی) ناپسندیدہ ہے۔

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾
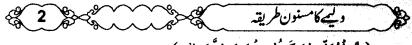
''یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔'' [الاسراء:۲۷]

علاوہ ازیں تفاخر اور شان وشوکت کا بے جا اظہار بھی اسلام کی نظر میں مذموم ہے۔

اس اعتبار سے ولیمہ جب سنت ہے، دنیاوی رسم نہیں تو اسے کرنا بھی اسی طرح چاہیے جس میں اسلامی ہدایات سے انحراف نہ ہو جب کہ ہمارے ہاں اس کے برعکس ولیمہ بھی اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ بھی شادی بیاہ کی دیگر رسموں کی طرح بہت سی خرابیوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے، مثلاً:

[۱]......ولیمے میں بارات سے بھی زیادہ ہجوم اکٹھا کیا جاتا ہے۔

[۲]......حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ انواع واقسام کے کھانوں کا اہتمام کر لیا جاتا ہے۔

[۳]......اپنی امارت اور شان وشوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

[۴]......غرباء کی شرکت کو ناپسندیدہ اور اپنے مقام ومرتبہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

[۵]......جس کے پاس وسائل نہ ہوں یا بہت کم ہوں، وہ بھی قرض لے کر اپنی استطاعت سے بڑھ کر ولیمہ کرتا ہے۔

[۶]......ولیمے میں بھی بے پردگی کا طوفان آیا ہوتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ مووی فلم کے ذریعے سے مردوں کے علاوہ تمام خواتین کی حرکات کو بھی محفوظ کیا جاتا ہے اور دونوں خاندانوں میں اس کو ذوق وشوق سے دیکھا جاتا ہے۔

## ولیمے کے بارے میں اسلامی ہدایات

حالانکہ اسلامی ہدایات کی رو سے مذکورہ سب باتیں غلط ہیں۔ اس لیے دعوتِ ولیمہ میں بھی اصلاح کی اور اپنے رویوں میں تبدیلی کی شدید ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہمیں اس کی بابت جو ہدایات ملتی ہیں ان سے حسبِ ذیل چیزوں کا اثبات ہوتا ہے:

[۱]۔ اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے، سادہ اور مختصر ولیمہ ہو، سارے خاندان اور دوست

احباب کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں ہے۔ عہد نبوی میں صحابہٴ کرام اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادیاں کرتے تھے لیکن دعوت ولیمہ وغیرہ میں کسی بڑے اجتماع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ صحابہٴ کرام جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قربت کا تعلق رکھتے تھے خود اپنی شادی میں رسول اللہ ﷺ تک کو مدعو نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لباس پر زردی دیکھی تو ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے کھجور کی ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر ایک خاتون سے شادی کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ.))

''ولیمہ کرو (اگر زیادہ استطاعت نہ ہو تو) ایک بکری ہی کا کر دو۔'' [صحیح البخاری، النکاح، حدیث: ۵۱۵۳، ۵۱۵۵]

خیبر سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنے حبالہ عقد میں لے لیا تو راستے ہی میں مدینہ پہنچنے سے قبل ہی آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی اور صبح کو آپ نے ولیمہ کیا جس میں کھجور، پنیر اور گھی کا ملیدہ بنا کر صحابہ کی تواضع کی گئی، نہ گوشت تھا اور نہ روٹی۔ یہ چونکہ سفر کا واقعہ ہے، مجاہد صحابہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی جو خیبر میں آباد یہودیوں سے جہاد کرنے کے لیے آپ کے ساتھ گئی تھی تو آپ نے اس میں ان سب کو شریک فرمایا۔ [صحیح البخاری، النکاح، باب البناء فی السفر، حدیث: ۵۱۵۹]

یہ ولیمہ بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہٴ کرام کے تعاون سے کیا تھا، چونکہ آپ سمیت سب سفر میں تھے، آپ ﷺ خیبر فتح کر کے مدینہ واپس آرہے تھے، راستے میں آپ نے یہ نکاح فرمایا تھا اور شب باشی کے بعد آپ ﷺ نے صبح صحابہٴ کرام سے فرمایا:

((مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِئْ بِهِ.))

''جس کے پاس جو چیز بھی ہے، وہ لے آئے۔''

آپ نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا، کوئی کھجور لے آیا، کوئی گھی (اور کوئی پنیر) لے آیا اور بعض ستو، ان سب کو ملا کر ملیدہ بنا لیا گیا، یہی رسول اللہ ﷺ کے ولیمے کا کھانا تھا۔ [صحیح البخاری، حدیث: ۳۷۱]

رسول اللہ ﷺ کا سب سے گراں ولیمہ وہ تھا جو آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد کیا تھا، اس میں آپ نے گوشت روٹی کا اہتمام فرمایا تھا۔

[صحیح مسلم، النکاح، باب زواج زینب بنت جحش، حدیث:۱۴۲۸]

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ولیمے میں نہ زیادہ ہجوم جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ پر تکلف انواع واقسام کے کھانوں اور ڈشوں کی۔

تھوڑے سے افراد کو بلایا جائے اور گھر ہی میں ان کی خاطر تواضع کر دی جائے اس طرح شادی ہال وغیرہ بک کروانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔

اپنی امارت اور شان وشوکت کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے دنیاوی وسائل سے نوازا ہے تو اسے ان ضرورتوں پر خرچ کیا جائے جن کی معاشرے میں ضرورت ہے، اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور اللہ کے دین کے داعیوں اور محافظوں پر خرچ کیا جائے، جہاد اور مجاہدین پر خرچ کیا جائے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ ولیمے وغیرہ کی دعوتوں میں اسراف وتبذیر کا مظاہرہ کر کے کم وسائل والے افراد کے اندر احساسِ محرومی پیدا نہ کیا جائے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی پر راستے میں جو ولیمہ کیا تھا، وہ مسلمانوں کے باہمی تعاون سے ہوا تھا، جیسا کہ اس کی تفصیل گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں اصحاب ثروت لوگوں کو بے وسیلہ لوگوں کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر تعاون کرنا چاہیے، ان کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا عند اللہ ناپسندیدہ روش ہے۔

۳۔ ولیمہ گوشت کے بغیر دوسری چیزوں سے بھی کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ولیمے میں ہوا۔

۴۔ ولیمے میں محض رشتے داریوں اور دوستانہ تعلقات کی بنیاد ہی پر نہ بلایا جائے بلکہ نیک لوگوں کو بھی شریک کیا جائے، اسی طرح غربا و مساکین کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ جس ولیمے میں محض اغنیا ہی شریک ہوں، اسے نبی ﷺ نے شَرُّ الطَّعَام (بدترین کھانا) قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں موقوفاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہا کرتے تھے:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُدْعَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ.))

''بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔'' [صحیح البخاری، النکاح، باب:۷۳، حدیث:۵۱۷۷]

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ قول مرفوع کے حکم میں ہے (فتح الباری) اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا، وَيُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ، فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُولَهُ.))

''بدترین کھانا ولیمے کا وہ کھانا ہے جس میں ان (غرباء) کو تو روک دیا جائے جو اس میں آتے ہیں اور ان کو بلایا جاتا ہے جو اس میں آنے سے انکار کرتے ہیں اور جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

[صحیح مسلم، النکاح، باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ، حدیث:۱۴۳۲]

ایک اور حدیث ہے جس میں نیکوں ہی کو کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے، فرمایا:

((لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ.))

''دوست اور ساتھی مومن ہی کو بناؤ اور تمہارا کھانا بھی سوائے متقی کے اور کوئی نہ کھائے۔''

[سنن ابوداود: الادب، باب من یؤمر ان یجالس، حدیث:۴۸۳۲]

۵......اوپر حدیث گزری ہے کہ جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنا، چاہے وہ ولیمے کی ہو یا عام دعوت، ضروری ہے۔ حتی کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے تو اس کو بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ نفلی روزہ توڑ لے اور دعوت میں شریک ہو جائے، بالخصوص جب دعوت کرنے والا اصرار کرے۔ اگر اصرار نہ کرے تو روزے دار کی مرضی ہے کہ روزہ توڑے یا نہ توڑے، روزہ نہ توڑے تو دعوت کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کردے۔ [صحیح مسلم، حدیث:۱۴۳۱]

۶......اگر نفلی روزہ توڑ کر دعوت کھائی جائے تو اس نفلی روزے کی قضا ضروری نہیں۔ نبی ﷺ ایک

دعوت میں تشریف فرما تھے، صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، جب کھانا شروع ہوا تو ایک شخص الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا، نبی ﷺ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ نفلی روزے سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أفطر وصم یومًا مکانه إن شئت.))

''تم دعوت کھالو، اگر چاہو تو بعد میں اس کی جگہ روزہ رکھ لینا۔''

حافظ ابن حجر اور شیخ البانی رحمہما اللہ نے اس کو حسن کہا ہے۔ [ارواء الغلیل: ۷/۱۱-۱۲، حدیث: ۱۹۵۲]

## معصیت والی دعوت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں

دعوت قبول کرنے کی اتنی تاکید کے باوجود شرعی دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس دعوت میں یا دعوت والے گھر میں اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہو یا وہاں معصیت والی چیز ہو تو اس دعوت میں اس شخص کا شریک ہونا تو جائز ہے جو اصحابِ دعوت کے ہاں اتنے اثر ورسوخ کا حامل ہو کہ وہ معصیت کاری رکوا سکتا ہو، تو اس کو شریک ہو کر اس کو رکوانے کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے اور جو شخص ایسی پوزیشن کا حامل نہ ہو، اگر اس کے علم میں پہلے سے یہ بات ہو کہ وہاں فلاں فلاں معصیت کا ارتکاب ضرور ہوگا، جیسے آج کل میوزک، ویڈیو، بے پردگی جیسی معصیتیں عام ہو گئی ہیں تو اس کا اس دعوت میں جانے کے بجائے اس کا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے اور اگر پہلے اس کے علم میں نہیں تھا، وہاں جا کر دیکھا کہ وہاں ان شیطانی کاموں کا اہتمام ہے تو اس میں شرکت نہ کرے اور واپس آجائے۔ اگر ان معصیت کاریوں کے باوجود وہ شریک ہوگا تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ بالخصوص اصحابِ علم وفضل کی اس قسم کے اجتماعات میں شرکت بہت بڑا جرم ہے، ان کی شرکت ان معصیت کاریوں کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو تصویر والا پردہ دیکھ کر بھی دعوت کھائے بغیر واپس آجاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے ایک روز کھانا تیار کیا اور رسول اللہ ﷺ کو دعوت

دی، آپ تشریف لائے تو گھر میں تصاویر دیکھ کر واپس چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کس چیز نے واپس ہونے پر مجبور کر دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گھر میں ایک تصویروں والا پردہ ہے اور جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔'' [سنن ابن ماجہ و مسند ابی یعلی، بحوالہ ''آداب الزفاف'' للالبانی، ص:۷۷]

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک مرتبہ خود اپنے گھر یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دروازے پر ایک تصویر والا پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو آپ نے اندر داخل ہونا پسند نہیں فرمایا، جس پر حضرت عائشہ نے معذرت کی۔ [صحیح البخاری، اللباس، باب من لم یدخل بیتا فیہ صورۃ، حدیث:۵۹۶۱]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل بھی یہی تھا۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جب شام تشریف لے گئے تو شام کے ایک نہایت معزز عیسائی نے آپ کی اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان کی دعوت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ أَجْلِ الصُّوَرِ الَّتِي فِيهَا.))

''تمہارے گرجوں میں تصویریں ہوتی ہیں اس لیے ہم وہاں نہیں آ سکتے۔''

[سنن بیہقی: ۷/ ۲۶۸، بسند صحیح، بحوالہ ''آداب الزفاف'' ص:۸۰]

☆ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کی ایک شخص نے دعوت کی، انہوں نے اس سے پوچھا: گھر میں کوئی تصویر ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے تصویر کو توڑنے تک گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا جب تصویر کو توڑ دیا گیا تو پھر آپ داخل ہوئے۔ [سنن بیہقی بسند صحیح، آداب الزفاف، ص:۸۱]

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((لَا نَدْخُلُ وَلِيمَةً فِيهَا طَبْلٌ وَلَا مِعْزَافٌ.))

''ہم اس ولیمے میں شریک نہیں ہوتے جس میں ڈھول تماشے یا گانے بجانے کے کوئی اور آلات ہوں۔'' [آداب الزفاف، للالبانی رحمۃ اللہ علیہ ص:۸۱]

## دعوت کھلانے والے کے لیے دعا

نبی ﷺ نے متعدد مواقع پر صحابۂ کرام کے ہاں کچھ کھایا پیا تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی، اس سلسلے میں آپ سے تین دعائیں منقول ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں صاحب خانہ کے لیے فرمائیں:

[۱]...... اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مَارَزَقْتَهُمْ، وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ.))

"اے اللہ! ان کو جو کچھ تو نے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما، ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔" [صحیح مسلم: حدیث: ۲۰۴۲، سنن ابوداود، حدیث: ۳۷۲۹]

[۲]...... اللّٰهُمَّ، أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي، وَاسْقِ مَنْ سَقَانِي.))

"اے اللہ! جنھوں نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔"

[صحیح مسلم: الاشربۃ، حدیث: ۲۰۵۵]

[۳]...... أَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَأَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ.))

"روزے دار تمہارے پاس روزے کھولتے رہیں، نیک لوگ تمہارا کھانا کھاتے رہیں اور فرشتے تمہارے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔"

## دولھا کے لیے خصوصی دعا

دولھا کے لیے خاص طور پر ان الفاظ میں دعا دی جائے:

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ.))

"اللہ تعالی تمھیں برکت دے اور تم پر اپنی برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ اکٹھا رکھے۔" [سنن ابوداود، النکاح، باب مایقال للمتزوج، حدیث: ۲۱۳۰]
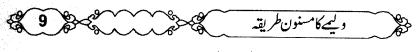
# ولیمہ کب کیا جائے؟

حضرت زینب بنت جحش اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما دونوں کے ساتھ نکاح کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت فرمائی تو احادیث میں صراحت ہے کہ اس کے بعد دوسرے دن آپ نے ولیمہ کی دعوت کی۔ اس سے اسی بات کا اثبات ہوتا ہے کہ ولیمہ نکاح سے پہلے نہیں۔ بلکہ نکاح کے بعد ہونا چاہیے۔ البتہ شب باشی کے بعد دوسرے روز ہی ضروری نہیں بلکہ دو تین دن کے وقفے کے بعد بھی جائز ہے۔

علاوہ ازیں ولیمے سے قبل خلوت صحیحہ بھی ضروری ہے یا نہیں یا اس کے بغیر بھی ولیمہ جائز ہے؟ بعض لوگ سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم بستری سے پہلے ولیمہ جائز نہیں ہے، لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ بعض دفعہ پہلی رات کو جب خلوت میں میاں بیوی کی ملاقات ہوتی ہے تو عورت کے حیض کے ایام ہوتے ہیں، اس لیے ایسی حالت میں بوس و کنار سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا نیز کسی اور وجہ سے بھی بعض دفعہ ہم بستری نہیں ہو پاتی۔ اس لیے ولیمے کی صحت کے لیے ہم بستری کو لازم خیال کرنا صحیح نہیں ہے، مخصوص قسم کے حالات میں اس کے بغیر بھی ولیمہ صحیح ہوگا۔ واللہ اعلم

# شادی کی چند اور ناجائز رسومات

## انگریزی زبان میں شادی کارڈ

شادی بیاہ کی رسومات یا ازخود پیدا کردہ ضروریات میں سے ایک رسم یا ایک ضرورت ''شادی کارڈ'' بھی ہے جس کے ذریعے سے اہل خاندان اور دوست احباب کو شادی (اور مہندی وغیرہ) میں مدعو کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ ضرورت ایک پوسٹ کارڈ یا زبانی دعوت سے پوری ہو جاتی تھی۔ اب یہ شادی کارڈ بھی شادی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔

اس کی وجہ بھی شادیوں میں زیادہ سے زیادہ ہجوم جمع کرنے ہی کا جذبہ ہے۔ اگر نکاح کی تقریب اور ولیمے کی دعوت مختصر ہو، خاندان کے چند ضروری افراد اور صرف بعض احباب ہی ان میں شریک ہوں تو ظاہر بات ہے کہ پھر خصوصی دعوت ناموں اور شادی کارڈوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن چونکہ یہ سادگی اور اختصار اب کسی کو پسند نہیں ہے، اس لیے شادی کارڈ چھپوائے بغیر بھی چارہ نہیں۔ اس لیے اصل ضرورت شادی بیاہ کی تقریبات کا حجم (سائز) مختصر کرنے کی ہے، اگر لوگ اس کو اختیار کرلیں تو بہت سی قباحتوں کے ساتھ شادی کارڈ سے بھی بچنا ممکن ہے، بصورت دیگر کم ازکم اس میں فضول خرچی سے تو ضرور اجتناب کیا جائے، یعنی شادی کارڈ مختصر اور سادہ چھپوائے جائیں، انھیں زیادہ سے زیادہ خوب صورت اور دیدہ زیب بنانے کے لیے گراں سے گراں تر نہ کیا جائے۔ اس طرح کے گراں قیمت شادی کارڈ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔

ایک اور بے ہودگی شادی کارڈ میں یہ چل پڑی ہے کہ اپنی قومی زبان اُردو کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن انگریزوں کی زبان میں چھپوائے جانے لگے ہیں۔ یہ بھی ایک چلتا ہوا فیشن اور مقبول عام رجحان ہے۔ حالاں کہ مسلمانوں کو تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بغض وعداوت رکھنے کا حکم ہے نہ کہ دوستی اور محبت رکھنے کا۔ اور اپنی گھریلو قسم کی معاشرتی

تقریبات میں مدعو کرنے کے لیے بھی ہم دعوت نامے انگریزی زبان میں چھپوائیں تو یہ اپنے دشمنوں سے، جن کو اللہ تعالی نے مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے، محبت کا اظہار ہے یا نفرت کا؟ کیا اس طرح ہم اللہ تعالی کے حکم کو نہایت دیدہ دلیری سے پامال نہیں کر رہے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ انگریزی زبان بین الاقوامی اور سائنس و ٹیکنالوجی کی زبان ہے، اس لیے اسے سیکھے بغیر چارہ نہیں، ٹھیک ہے اس وقت بد قسمتی اور ہم مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے اس کی یہ اہمیت مسلم اور اس کا سیکھنا جائز بلکہ حکومتی پالیسی کی وجہ سے کسب معاش کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن حکومتوں کی مسلط کردہ پالیسی یا دیگر دنیوی ضروریات کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا اور چیز ہے اور اس سے محبت رکھنا اور چیز ہے۔ پہلی بات یقیناً جائز ہے، الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ناجائز کاموں کو بھی جائز کر دیتی ہیں) فقہی اصول ہے۔ اسی لیے کوئی عالم انگریزی زبان کے پڑھنے، سیکھنے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کو ناجائز نہیں کہتا، لیکن دوسری بات یعنی اس سے محبت رکھنا، اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا اور اپنی قومی زبان پر اسے ترجیح دینا اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ قومی غیرت کے بھی خلاف ہے اور شرعی لحاظ سے بھی حرام اور ناجائز۔

انگریزی میں دعوت نامہ چھپوانا، کسی بھی پاکستانی کی بین الاقوامی ضرورت نہیں ہے، جو پاکستانی ایسا کرتا ہے، وہ قومی بے غیرتی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے محبت کا والہانہ اظہار بھی۔ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یوں وہ قومی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور حکم الہی کی پامالی کا ارتکاب بھی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

یہ مسئلہ شرعی لحاظ سے۔ عقیدہ الولاء والبراء کے تحت۔ جتنا اہم ہے، افسوس ہے کہ علما کے طبقے میں بھی اس کا احساس نہیں ہے، اس لیے وہ بھی انگریزی کارڈوں پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کرتے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

## رات کو شادیوں کا انعقاد

ایک اور نہایت قبیح رواج، جو دیگر رسومات کی طرح بہت عام ہو گیا ہے، شادی کی تقریب رات کو کرنا ہے۔اس میں بھی غالباً یہ شیطانی فلسفہ کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں بجلی کے قمقمے اور چراغاں جو بہار دیتا ہے، وہ دن کی روشنی میں ممکن نہیں۔اسی طرح آتش بازی کا سماں بھی رات کی تاریکی ہی میں بندھتا ہے اور آتشیں پٹاخوں کے نہایت خوف ناک دھماکے بھی رات ہی کو اہل محلّہ کی نیندوں کو خراب کرتے ہیں۔دن کے شور و شغب میں یہ دھماکے کسی کے آرام و راحت میں زیادہ خلل انداز نہیں ہوتے اور ہم اخلاقی پستی کی جس اتھاہ گہرائی میں جا چکے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ جب تک ہم اہل محلّہ کے آرام و سکون کو برباد نہ کر لیں، ہماری خوشی کی تقریب مکمل نہیں ہو سکتی۔یعنی ہمیں دوسروں کے سکون و آرام کو برباد کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے، ورنہ جس قوم کی اخلاقی حس زندہ اور بیدار ہو وہ کبھی اتنی اخلاقی پستی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی جس طرح ہماری قوم کرتی ہے۔ رات کے دو بجے بارات واپس آتی ہے تو آتشیں پٹاخوں کے دھماکوں سے سارے محلے کے لوگوں کی نیندیں خراب کر دی جاتی ہیں۔

سالہا سال سے اخلاقی پستی کے یہ مظاہر ہم دیکھتے آ رہے ہیں، البتہ اب ایک دو سالوں سے (۲۰۱۱-۲۰۱۲) حکومت پنجاب نے شادی ہالوں کے لیے رات کے ۱۰ بجے تک بند کرنے کی پابندی عائد کر رکھی ہے جس کے نتیجے میں اصلاح کے کچھ آثار نظر آ رہے ہیں اور باراتوں اور ولیموں سے لوگ ۱۱ بجے تک فارغ ہو جاتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے جو صورت حال تھی وہ ہمارے اخلاقی زوال کی نوحہ کناں تھی۔

علاوہ ازیں رات کی ان تقریبات میں وقت کا جو ضیاع ہوتا تھا، وہ بھی ہماری اس قوم کی بے فکری، بے شعوری اور اخلاقیات سے عاری ہونے کی غمازی کرتا تھا۔کارڈوں پر ۸ یا ۹

بجے کا وقت لکھا ہوتا تھا، لیکن نکاح یا ولیمے کی تقریب کا آغاز رات کے ۱۲ بجے یا ایک بجے سے پہلے نہ ہوتا۔ ذرا سوچیے! یہ رواج یا عادت یا رسم اچھی ہے یا بری؟ اس میں اخلاقی ذمے داری کا احساس پایا جاتا ہے یا اس سے خوف ناک بے اعتنائی؟ ذرا تصور کیجیے! ان لوگوں کی کوفت، تکلیف اور ضیاع وقت کا جو دعوت نامے کے مطابق وقت پر تشریف لے آتے ہیں ، لیکن انھیں ان لوگوں کے انتظار میں جو تین یا چار گھنٹے تاخیر سے آتے ہیں، ۳ یا ۴ گھنٹے انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا جاتا ہے۔

حالاں کہ سوچنے کی بات ہے کہ وقت پر آنے والے سزا کے مستحق ہیں یا غیر معمولی تاخیر سے آنے والے؟ لیکن ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی رہی ہے۔ کئی کئی گھنٹے تاخیر سے آنے والوں کی سزا، وقت کا ضیاع اور ''الانتظار اشد من الموت'' کے کرب وقلق کی صورت میں، وقت پر آنے والوں کو بھگتنی پڑتی، ان سب پر مستزاد یہ کہ رات کو اتنی تاخیر سے سونے کے بعد فجر کی نماز لیے اٹھنا بھی ناممکن سا ہے، گویا نماز فجر بھی جاتی۔ اسی طرح اتنی تاخیر سے واپسی پر ان لوگوں کو جو پریشانی ہوتی ہے جن کے پاس اپنی سواری وغیرہ نہ ہوتی۔ نیز رات کی تاریکی میں ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہتھے چڑھ جانے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

بہر حال جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے راتوں کی ان تقریبات کا انعقاد غیر صحیح ہے، کم از کم دین دار حضرات کو اس قبیح رواج اور رسم سے سختی سے بچنا چاہیے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی بابت آتا ہے کہ آپ کو رات کو عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرتے رہنا ناپسند تھا۔ [صحیح البخاری، المواقیت، باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء، حدیث: ۵۶۸]

اس حدیث کی روشنی میں بھی اگر دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو راتوں کو شادی کی تقریبات کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ رات سے مراد عشاء کے بعد ہے، ورنہ عشاء سے پہلے اس کا جواز ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

# رات کے وقت شادی کا صحیح طریقہ

چراغاں اور آتش بازی وغیرہ رسومات سے بچتے ہوئے ، اگر نکاح ، خاطر تواضع اور رخصتی کی ساری کارروائی ، وقت کی پابندی کرتے ہوئے ، مغرب کے فوراً بعد سے لے کر عشاء کے وقت تک کر لی جائے تو پھر چوں کہ مذکورہ قباحتیں پیدا نہیں ہوں گی ۔اس لیے رات کے پہلے پہر میں ان تقریبات کے جواز میں شک کی گنجائش نہیں۔

لیکن ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب دونوں خاندانوں کے دلوں میں ایک تو نبی اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کی اہمیت ہو، اتباعِ سنت کا سچا جذبہ ہو۔ دوسرے وقت کی قدر و قیمت کا احساس اور مقررہ وقت کے اندر ساری کارروائی کرنے کا عزمِ راسخ ہو۔ مہمانوں کے وقت پر نہ آنے کی پروانہ کی جائے ، بلکہ جو لوگ وقت پر آ جائیں ، چاہے وہ بالکل تھوڑے ہی ہوں ، ان کی موجودگی میں نکاح یا ولیمے کا آغاز کر دیا جائے اور تاخیر سے آنے والوں کی مہمان نوازی سے معذرت کر لی جائے۔

جب تک لومۃ لائم کے خوف کے بغیر اس جرأت و ہمت کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا، وقت کے ضیاع کو روکنا بھی ممکن نہیں ہے اور اسوۂ رسول کی پیروی بھی نہایت مشکل ہے۔

# حکومت پنجاب کا ایک اصلاحی اقدام مگر؟

اب اگرچہ کچھ عرصے سے پنجاب حکومت کی طرف سے شادی ہالوں کے لیے رات کے دس بجے تک کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے جس پر بہت حد تک عمل ہو رہا ہے۔اس سے بہت سی قباحتوں کا تدارک اور وقت کا ضیاع بھی کم ہوا ہے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک تو اس کو پورے ملک میں نافذ کیا جائے۔ اس وقت یہ پابندی صرف پنجاب میں ہے۔ دوسرے اس قانون کو قانون سازی کے ذریعے سے مستقل کیا جائے فی الحال یہ پابندی عارضی ہے، اس میں مہینہ وار توسیع کی جا رہی ہے کیونکہ ہماری قوم میں بگاڑ جس طرح عام ہو

گیا ہے اور خدا خوفی کا فقدان اور دین سے بے اعتنائی فزوں تر ہے اس سے یہ شدید خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کا یہ مفید اقدام پتہ نہیں کب ختم ہو جائے اور قوم پھر اسی بے اعتدالی کا شکار ہو جائے جس میں وہ نہ صرف یہ کہ سالہا سال سے مبتلا چلی آ رہی ہے، بلکہ وہ اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ جیسے اس سے قبل ۲۰۰۰ء میں نواز شریف کے جاری کردہ شادی آرڈیننس کا کچھ عرصے بعد حشر ہوا کہ وہ نہایت مفید ہوتے ہوئے عوام و خواص نے اسے اپنانے سے گریز کیا، غریبوں نے اگرچہ اس پر سکھ کا سانس لیا تھا اور اسے سراہا تھا، لیکن قومی مزاج کے عمومی بگاڑ، بالخصوص دین سے دور نو دولتیوں کے طرزِ عمل کی وجہ سے، وہ تنقید کا نشانہ بنا رہا، بالآخر اسے ختم کرنا پڑا۔

نواز شریف کا جاری کردہ وہ مذکورہ آرڈی نینس کیا تھا؟ اس کی تاریخی حیثیت کے پیش نظر ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں کیونکہ شرعی اعتبار سے اس کا جواز تھا اس امید پر کہ شاید دوبارہ اللہ تعالیٰ کسی حکمران کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق عطا فرما دے اور ون ڈش (قانون) کے بجائے اس کو نافذ کر دے، کیوں کہ ون ڈش کا قانون بھی اگرچہ اسراف (فضول خرچی) سے بچانے ہی کے لیے نافذ کیا گیا ہے، لیکن عملاً اس سے اسراف کی کوئی خاص حوصلہ شکنی نہیں ہوئی ہے۔ اصحاب حیثیت اس پر خوش دلی سے عمل نہیں کرتے اور ون ڈش کے قانون کے ہوتے ہوئے بھی بہت سی ڈشوں کا اہتمام عام ہے۔ اس لیے اصل ضرورت اسی آرڈی ننس کے نفاذ کی ہے جس کے نفاذ سے واقعی اسراف کا سد باب ہوا تھا اور کم وسائل کے حامل افراد نے اطمینان و سکون محسوس کیا تھا۔

☆☆......☆......☆☆

# مذکورہ آرڈی ننس کی دفعات کا خلاصہ

## دفعہ: 4(1)

کسی شخص کو اپنی یا کسی اور کی شادی کی تقریب میں، جو ہوٹلوں، ریسٹورنٹوں، شادی ہال یا کمیونٹی سنٹر میں منعقد ہورہی ہو، شرکت کرنے والوں کے لیے صرف مشروبات کے علاوہ کھانا پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

## دفعہ: 5

وہ شخص جو ہوٹل، ریسٹورنٹ، شادی ہال، کمیونٹی سنٹر کا مالک یا مینیجر ہو، انہیں شادی کی تقریب میں شرکت کرنے والوں کے لیے کھانا، طعام وغیرہ پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ مہمانوں کی تواضع مشروبات سے کی جائے گی۔

## دفعہ: 6

جو شخص ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا۔ وہ قابل سزا مجرم ہوگا۔ انہیں ایک ماہ کی قید محض یا جرمانے کی سزا دی جائے گی۔ جو کہ ایک لاکھ سے کم اور پانچ لاکھ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس آرڈی ننس کے تحت یہ جرائم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہوں گے۔

☆......☆☆......☆

## ضروری وضاحت:

اس آرڈی ننس کو سپریم کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا تھا۔ شرعی عدالت نے اپنے طریقۂ کار کے مطابق علمائے کرام اور اپنے فقہی مشیران سے اس کی بابت رائے طلب کی۔ لیکن قبل اس کے کہ شرعی عدالت علماء کی آراء کی روشنی میں اس پر بحث کرتی اور شرعی فیصلہ کرتی، سپریم کورٹ نے اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور یہ کالعدم ہوگیا۔ راقم نے اس آرڈی ننس کی حمایت میں شرعی عدالت میں پیش کرنے کے لیے ایک بیان مرتب کیا تھا، عدالتی فیصلے کی وجہ سے اسے پیش کرنے کا موقع ہی نہیں آیا۔

# نکاح کی الگ مستقل تقریب، اگر ناگزیر ہو تو......

ایک اور سلسلہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ کسی وجہ سے اگر لڑکے یا لڑکی والے کچھ عرصہ کے لیے رخصتی لینا یا کرنا پسند نہیں کرتے تو رشتہ مضبوط کرنے یا باہر لے جانے کے لیے کاغذات کی تیاری کی غرض سے، بھاری بھر کم بارات سے پہلے، ایک مختصر تقریب میں صرف نکاح کی کارروائی پوری کر لی جاتی ہے۔

مذکورہ وجوہ سے اگر واقعی ایسا کرنا ضروری ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شرعاً اس کا جواز اسی صورت میں ہوگا جب اس میں فضول خرچی کا پہلو نہ ہو۔ اور ایسا کب ہوگا؟ تب جب کہ اس تقریب میں گھر کے صرف چند ضروری افراد ہی لڑکی والوں کے گھر آئیں اور ایک کمرے میں بیٹھ کر نکاح کر لیا جائے اور بلا تکلف ماحضر تناول کر کے چلے جائیں۔ اس میں نہ ہجوم ہو کہ اس کے لیے لڑکے والے بھی ٹرانسپورٹ کا خصوصی انتظام کریں اور لڑکی والے بھی۔ بارات سے پہلے...... باراتیوں (لڑکے والوں) کے لیے پرتکلف کھانوں اور ہالوں کا انتظام کریں۔ یہ ایسا سادہ طریقہ ہے کہ دونوں خاندانوں پر کوئی خاص مالی بوجھ نہیں پڑتا اور دونوں فضول خرچی سے محفوظ رہتے ہیں جو کہ شرعاً پسندیدہ امر ہے۔

لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے لیے بھی باقاعدہ ہال اور پرتکلف کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور دونوں خاندانوں کے افراد کافی معقول تعداد میں شریک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک سادہ سی گھریلو تقریب بھی ایک پرہجوم تقریب بن جاتی ہے۔ یہ طریقہ چونکہ غیر ضروری ہے اس لیے یہ شرعاً فضولِ خرچی کے دائرے میں آئے گا جن کے مرتکبین کو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کا بھائی کہا ہے۔

بنابریں صرف نکاح کے لیے بارات سے پہلے نکاح کی الگ تقریب سے اجتناب کیا جائے اور اگر ناگزیر ہو تو گھر میں اس کا اہتمام ہو اور صرف گھر کے چند ضروری افراد کی موجودگی ہی کو کافی سمجھا جائے۔

# سلامی یا نیوتہ

بارات کی روانگی سے قبل دولھا میاں تیار ہوکر گھر میں بیٹھ جاتے ہیں اور بارات میں شریک ہونے والے اہل خاندان دولھا کو سلامی دیتے ہیں، اسے نیوتہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نقد رقم ہوتی ہے جو سلامی کے نام پر دی جاتی ہے اور اسے باقاعدہ لکھ کر رکھا جاتا ہے۔ زیادہ ہجوم ہوتا ہے تو ایک شخص اس رقم کو دینے والے کے نام کے ساتھ لکھتا جاتا ہے۔ جو دوست احباب اس موقع پر نہیں ہوتے تو وہ ولیمے کی دعوت میں دولھا یا اس کے والد کو دے دیتے ہیں۔

یہ رواج بھی اتنا عام ہے کہ شریک ہونے والے خاندان کا ہر بڑا فرد اور احباب میں سے ہر شخص اس سلامی یا نیوتے کے بغیر شرکت میں سبکی محسوس کرتا ہے اور اسے خواہی نخواہی کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہی پڑتا ہے، علاوہ ازیں نہ دینے پر گو زبان سے اظہار نہ ہو، دل میں خفگی ضرور محسوس کی جاتی ہے۔

یہ ہدیہ، تحفہ یا تعاون نہیں ہوتا بلکہ اس کو قرض سمجھا جاتا ہے اور قرض بھی سودی۔ یعنی جتنی رقم دی جاتی ہے، دینے والے کے ہاں جب شادی کی تقریب ہوتی ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اب لینے والا میری دی ہوئی رقم مع اضافہ لوٹائے اور رواج بھی یہی ہے کہ واپسی کے وقت اضافہ کر کے ہی دی جاتی ہے۔

اس رسم کا جب کبھی آغاز ہوا ہوگا، اس وقت یقیناً جذبہ تعاون کے تحت ہی ہوا ہوگا۔ لیکن اب یہ تعاون کے بجائے متعدد قباحتوں کا باعث ہے۔ مثلاً

تعاون کی ضرورت ہے یا نہیں، اب صرف رسم کے طور پر اس کو کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لکھ پتی اور کروڑ پتی خاندانوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس تعاون کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

واپسی پر زیادہ دینا اور اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اس طرح یہ ایک قرض کی صورت

بن جاتی ہے اور قرض پر زیادہ لینا ہی سود ہے۔ اس اعتبار سے یہ باہم تبادلہ سودی طریقہ ہے۔

دعوت قبول کرنے کا حکم ہے، لیکن شادی (بارات یا ولیمہ) کی دعوت ایک خالص دعوت نہیں رہتی کیونکہ کچھ نہ کچھ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے جب کہ دعوت بے لوث ہوتی ہے اور اسے ہی قبول کرنے کی تاکید ہے، اس اعتبار سے یہ بارات یا ولیمے کی دعوت بھی، اسلامی دعوت نہیں ہے بلکہ یہ خود غرضی کا یا باری اُتارنے یا وصول کرنے کا ایک سلسلہ ہے جو شادی بیاہ کی زیر بحث رسومات ہی کا ایک حصہ ہے۔

بنا بریں ضروری ہے کہ دین کا صحیح شعور رکھنے والے سلامی یا نیوتے کی اس رسم کا بھی خاتمہ کریں، اس کا بھی کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ البتہ کوئی رشتہ دار غریب ہے اور اسے تعاون کی ضرورت ہے تو اس کے ساتھ ضرور تعاون کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

[۱]۔ آپ اگر صاحب حیثیت ہیں تو اس کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے تعاون کر دیں۔ نیز سادگی کے ساتھ شادی کرنے کی تلقین کریں۔



[۲]۔ قرض حسنہ کے طور پر حسب ضرورت تعاون کر دیا جائے۔

## عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

عورت رخصتی کے بعد اپنے والدین اور گھر کو چھوڑ کر ایک دوسرے گھر میں جاتی ہے۔ والدین کے ہاں تو اس کو بھرپور پیار اس لیے ملا کہ وہ والدین کے جگر کا ٹکڑا تھی، اولاد نافرمان ہو تب بھی والدین سے پیار اور شفقت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ پھر جس گھر اور ماحول میں وہ پروان چڑھی وہ اس کے لیے نہایت مانوس تھا۔

لیکن ایک نئے گھر میں خاوند کے علاوہ اس کو خاوند کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ملتے ہیں، یہ ابتداءً اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ اور ماحول بھی نامانوس۔ اب یہ عورت کی سمجھ بوجھ، لیاقت و ذہانت اور اس کے رویے پر منحصر ہے کہ وہ خاوند کو کس طرح اپنا بناتی ہے؟ اس کے والدین کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھتے ہوئے ان سے اپنائیت کا اظہار کرتی ہے یا

اس کے برعکس غیریت کا تأثر دیتی ہے؟ اس نئے ماحول کو خوش گوار بناتی ہے جہاں اب زندگی کے بقیہ ایام اس نے گزارنے ہیں یا اس کو ناگواری میں ڈھال کر اپنی زندگی بھی اجیرن بنا لیتی ہے اور دوسروں کی زندگیوں میں بھی زہر گھول دیتی ہے۔

اس میں چند عوامل نہایت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں جو مستقبل کو سنوار بھی سکتے ہیں اور بگاڑ بھی سکتے ہیں۔

## ① والدین کی ذمے داری:

اس میں اولین ذمے داری عورت کے والدین کی ہے۔ وہ بچی کو اچھی تربیت دیں جس میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:

ا۔ دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام، احکام شرعیہ کی پابندی اور سادگی کی تلقین۔

۲۔ خانگی امور کی تربیت، اس میں کھانے پکانے کی مہارت، صفائی ستھرائی کی تاکید، بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو اخراجات میں کفایت شعاری اور سلیقہ پن شامل ہیں۔

۳۔ ساس سُسر کے احترام کی تلقین، نندوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت کا سلوک، خاوند کی اطاعت و خدمت گزاری اور ہر حالت میں وفاداری کا مظاہرہ کرنے کی تاکید۔

۴۔ بیٹی کو سمجھائیں کہ سسرال میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے معاملات، معمولی تلخیاں یا کبھی کبھی تعلقات کی ناخوش گواریاں برداشت کی جائیں، صبر و تحمل اور دانش مندی سے ان کو سلجھایا جائے اور روز مرہ کے واقعات یا کبھی کبھی کی ناخوش گواریوں کا ذکر اپنے ماں باپ سے نہ کیا جائے۔ اس سے والدین کے دلوں میں سسرالیوں سے نفرت پیدا ہوگی جو دونوں خاندانوں کے تعلقات میں خرابی اور بگاڑ کا باعث ہوگی۔

ہاں اگر وقعی سسرال والوں کا رویہ نئی دلہن کے ساتھ اچھا نہیں ہے، یہاں پیار کے بجائے اسے نفرت کا سامنا ہے، عدل و انصاف کے بجائے ظلم و ستم کی گرم بازاری ہے اور اس کو گھر میں وہ قرار واقعی مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کا وہ استحقاق رکھتی ہے۔ تو پھر اس

انہونی صورت حال سے والدین کو ضرور مناسب انداز سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اس کا حل نکال سکیں۔ تاہم عام حالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں ماں باپ کو پہنچا کر ان کے سکون کو برباد کرنا نہ کوئی دانش مندی ہے اور نہ سسرال میں رہنے کا کوئی قرینہ وسلیقہ۔

۵۔ بعض مائیں پیشگی ہی اپنی بچی کو اس طرح کی پٹی پڑھا دیتی ہیں کہ دیکھنا وہاں کسی سے دب کر نہیں رہنا، اپنا رعب جمانے کی کوشش کرنا، کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنا، وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کو نئے گھر میں حکمت ودانش، پیار محبت اور تواضع وانکساری کے ذریعے سے اپنا جو مقام بنانا ہوتا ہے، اس سنہری موقعے کو وہ ضائع کر دیتی ہے اور ماں یا سہیلیوں کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل کرتے ہوئے محاذ آرائی کی فضا یا سرکشی کی سی صورت پیدا کر دیتی ہے، اور یوں بنا بنایا کھیل سب بگڑ کر رہ جاتا ہے اور حسین خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔

اس لیے ماؤں کو اس قسم کا سبق بچیوں کو ہرگز نہیں پڑھانا چاہیے بلکہ اس کے برعکس اس کو برائی کو اچھائی سے ٹالنے کی اور عارضی تکلیفوں کے مقابلے میں صبر وحکمت سے کام لینے کی، بڑوں کا ادب واحترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں انہی باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ﴾

”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دور کرو (ایسا کرو گے تو) پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا جیسے وہ دلی دوست ہے۔“ [حم السجدہ:۳۴]

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا.))

”اس کا ہم (مسلمانوں) سے تعلق نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت (رحم) نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب واحترام ملحوظ نہیں رکھتا۔“ [جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الصبیان، حدیث:۱۹۱۹]

## ② مرد کے لیے حکمت ودانش کی ضرورت:

دوسرے نمبر پر خاوند کا کردار ہے۔ جب نئی نویلی دلھن ایسے گھر میں آتی ہے جہاں شوہر کے والدین، اس کے بہن بھائی اور بھابھیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں تو پھر مرد کا امتحان شروع ہوجاتا ہے۔اس طرح کے مشترکہ خاندان میں عورتوں (ساس، نندوں وغیرہ) کے ساتھ ٹکراؤ کا خطرہ ہر وقت، سر پر لٹکی تلوار کی طرح، رہتا ہے۔ کسی وقت ساس بہو کے درمیان تکرار ہوجاتی ہے تو کبھی نندوں کے ساتھ نوک جھونک، یا بھابھیوں یا ان کے بچوں کے ساتھ کوئی معاملہ۔ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مرد کا خصوصی تعلق ہے، گو اس کی اہمیت ونوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے، لیکن ہر ایک کے ساتھ تعلق کے خصوصی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

☆ ایک عورت اس کی بیوی بن کر اس کے پاس آئی ہے، وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ناز ونعمت میں پلی ہے، وہ ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور ان کے دلوں کا ٹکڑا رہی ہے، اس نئے گھر میں اس کو ماں باپ کی محبت وشفقت کا بدل بلکہ نعم البدل، ملنا چاہیے، (شریعت کا حکم بھی یہی ہے)۔

☆ اس مرد (خاوند) کی ماں ہے، جس نے اس کی خاطر ہر طرح کی مشقتیں برداشت کی ہیں، اس کو پال پوس کر جوان کیا ہے، پھر اس کی حسب خواہش اس کی جوانی کی آرزو (شادی کرکے) پوری کی ہے۔ بیوی کے آجانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ اس کی طرف سے ماں کی خدمت، حسن سلوک، ادب واحترام میں کوئی کمی نہ آئے۔

☆ گھر میں باپ ہے، جس نے دکھ دیکھا نہ سکھ، ہر حالت میں شب وروز محنت کرکے دولھا کی کفالت کی، اس کی تعلیم سے لے کر زندگی کی ہر ضرورت تک، اس نے وسائل مہیا کیے، آخر میں شادی کا بندوبست کیا۔کیا اب دولھا میاں کو یہ زیب دے گا کہ شادی کے بعد وہ اپنے محسن باپ سے ادب واحترام اور حسن سلوک کے تقاضوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے؟

☆ دولھا کی بہنیں ہیں یا چھوٹے بھائی ہیں، ان کی بھی محبت کے کچھ تقاضے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

چکی کے تو دو ہی پاٹ ہوتے ہیں جن کے درمیان آنے کا محاورہ مشہور ہے۔ لیکن یہاں تو کئی پاٹ ہیں جن میں شادی کے بعد ایک مرد کو خواہی نخواہی آنا پڑتا ہے۔ ان پاٹوں کی زد میں آنے سے بچاؤ کے لیے اسے حکمت و دانش سے کام لینا پڑے گا جس میں شریعت اسلامیہ اس کی پوری مدد کرتی ہے اور اگر مرد شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کے حقوق کی ادائیگی میں۔ حسب مراتب۔ مخلص ہوگا اور کسی کے ساتھ بھی تجاوز کرنے کی نیت نہیں رکھے گا تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور وہ اس امتحان میں سرخ رُو رہے گا اور اس پل صراط کو عبور کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

## ③ ساس کا کردار:

تیسرے نمبر پر دولھا کی ماں کا کردار ہے جس کو ساس کہا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ساس بہو کا روایتی کردار مشہور ہے اور اس کے بارے میں مختلف حکایتیں اور کہاوتیں عام ہیں۔

ساس حسب ذیل تجاویز یا تدابیر کو اختیار کرے تو یقیناً حسن کردار کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔

[۱]۔ مذکورہ آیت وحدیث پر عمل کرتے ہوئے برائی کو بھلائی سے ٹالے، نفرت کے بجائے محبت واپنائیت کا مظاہرہ کرے، شفقت ونرمی کو معمول بنائے۔

[۲]۔ بیٹے کا گھر آباد کرنے کی نیت سے خوب دیکھ بھال کر دلھن کو گھر میں لاکر رکھا ہے، اب گھر کو آباد رکھنے کی نیت کرلے اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بروئے کار لائے۔

[۳]۔ بہو کی خوبیوں کو سراہے، کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ جو کوتاہیاں سمجھانے سے دور ہوسکتی ہیں، اسے سمجھا کر دور کرنے کی مخلصانہ اور ہمدردانہ کوششیں کی جائیں، بار بار سمجھانے میں بھی گرانی

محسوس نہ کرے، اس کی ناسمجھی پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے چھوٹوں پر شفقت کرنے کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھے۔

۴۔ بہو کو غیر نہ سمجھے بلکہ بیٹیوں کی طرح اُسے عزیز رکھے، اسے بیٹیوں والا پیار اور شفقت دے، بیٹیوں کی غلطیوں کو جس طرح بار بار کرنے کے باوجود، نظر انداز کر دیا جاتا ہے، بہو کی غلطیوں کی بھی یہی حیثیت دی جائے۔

۵۔ اس میں کھانے پکانے کی صحیح مہارت نہ ہو تو اس کی اس کوتاہی کو بتدریج دور کیا جائے۔ طعن وتشنیع کے بجائے اس کو نوآموز سمجھ کر خوش ذائقہ کھانوں کے طریقے اور ترکیبیں سمجھائی جائیں۔

۶۔ بیٹا اگر بیوی سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا فطری بات بھی ہے اور اس کا حق بھی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس کی کوئی دوسری مثال ناپید ہے۔ اس کی اس فطری محبت اور اس کے مظاہر کو برداشت کیا جائے، اس کو اپنا رقیب یا حریف سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے۔ آخر شادی کا مقصد بھی اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ محبت کریں۔ شادی کے بعد اس محبت پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

## ④ بیوی کا حسن کردار اور حسن تدبیر:

گھر کو آباد رکھنے میں چوتھے نمبر پر بیوی کا کردار اور اس کا حسن تدبیر ہے۔

اگر عورت حسب ذیل باتوں کا خیال رکھے تو وہ بھی یقیناً اپنے گھر کو امن وسکون کا گہوارہ اور جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔

۱۔ چھوٹوں (نندوں وغیرہ) پر شفقت اور بڑوں (ساس، سسر وغیرہ) کے ادب واحترام کو اپنا شعار بنائے اور اس میں کسی مرحلے پر بھی کوتاہی نہ کرے۔

۲۔ امور خانہ داری میں پوری دلچسپی لے، کھانے پکانے کا کام ہو، صفائی ستھرائی کا مسئلہ ہو، مہمانوں کی خاطر تواضع کا مرحلہ ہو، عزیز واقارب سے تعلقات نبھانے کا مسئلہ ہو، خاوند یا ساس سُسر کی خدمت کی ضرورت ہو، بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمے داری ہو، وہ کسی بھی مرحلے میں غفلت، سستی یا لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے۔ عورت کی عزت، خدمت اور مسلسل خدمت ہی میں

ہے۔خدمت سے گریز کر کے کوئی عورت نہ عزت حاصل کر سکتی ہے اور نہ گھر والوں کے لیے آرام وراحت کا باعث ہوسکتی ہے۔

عورت سلیقہ مند بھی تب ہی کہلائی اور سمجھی جائے گی جب وہ مذکورہ امور حسن وخوبی سے انجام دے گی، ورنہ وہ پھوہڑ عورت کہلائی اور سمجھی جائے گی۔اور خاندان اور معاشرے میں سلیقہ مند عورت ہی معزز ومحترم سمجھی جاتی ہے نہ کہ پھوہڑ عورت۔

۳۔عورت نئے گھر میں آکر اپنے ماں باپ کے گھر کو بھول جائے۔گھر کو بھول جانے کا مطلب ماں باپ کو بھول جانا نہیں ہے، وہ تو ایک لازوال فطری تعلق ہے، اس کو کس طرح بھلایا یا دل سے نکالا جاسکتا ہے، ماں باپ سے محبت کا تعلق تو سدا قائم رہنا اور قائم رکھنا ہے، پرانے گھر کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت یہ سمجھے کہ اب میرا جینا اور مرنا اس نئے گھر کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اب میں نے اسی کو سنوارنا اور سنبھالنا ہے۔

لیکن اس جذبے کو رُو بہ عمل لانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے چند باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔

## اوّل:

یہ کہ اس گھر کے عسر ویسر کو برداشت اور اس کی اونچ نیچ کو انگیز کیا جائے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑھا چڑھا کر ماں باپ تک نہ پہنچائی جائیں، چھوٹی موٹی باتیں ہر گھر میں ہوتی ہیں حتی کہ ماں بیٹیوں کے درمیان اور باپ بیٹوں کے درمیان اور بھائی بہنوں کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہیں۔اگر ساس بہو، یا بھاوج نندوں کے درمیان یا میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہیں تو یہ کوئی نہ انہونی بات ہے کہ ماں باپ کو اس سے ضرور آگاہ کیا جائے اور نہ ان کی ایسی اہمیت ہے کہ ماں باپ کے علم میں لانا ضروری ہو۔ بلکہ یہ رویہ سخت خطرناک اور آبادکاری کے منافی ہے۔

دوم:

یہ کہ عورت اس نئے گھر کے ماحول کو سمجھے اور اپنے آپ کو اس ماحول میں پوری سنجیدگی سے ڈھالے۔ ماں باپ کے گھر میں وہ جو کام کرتی تھی، وہ یہاں اگر نہیں ہوتے تو ان کو یہاں کرنے پر اصرار نہ کرے اور جو کام اس نے اپنے گھر میں کبھی نہیں کیے لیکن یہاں وہ کیے جاتے ہیں تو ان کے کرنے میں تأمل یا گریز نہ کرے، بشرطیکہ ان میں شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

اسی طرح ماں باپ کے گھر میں اسے جو سہولتیں حاصل تھیں، نئے گھر میں وہ سہولتیں کم ہیں یا ان کا فقدان ہے تو اس سے نہ گھبرائے اور نہ پریشان ہو اور نہ اس کی وجہ سے ماں باپ کو کوسے۔ بلکہ اللہ سے دعائیں کرے اور بہتری کے لیے مل جل کر کوششیں جاری رکھے، اللہ کا یہ فرمان یاد رکھے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾﴾

''بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بلاشبہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔'' [الم نشرح:۵-٦]

اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ دو مرتبہ اس حقیقت کا اظہار فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے اور جو لوگ اللہ سے اُمیدیں وابستہ کرتے ہوئے صبر کرتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد فرماتا اور ان کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔

سوم:

یہ کہ اگر اس کو خاوند ایسا ملا ہے جو اس کی سوچ اور معیار سے کم ہے، وہ اس کے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہے، اب اس کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر دل سے قبول کر لے اور صبر و شکر سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے اس کے حسین سپنوں سے زیادہ بہتری پیدا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ عَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

”ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو جب کہ وہ تمہارے لیے بری ہو (کیونکہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ [البقرۃ:٢١٦]

اور ایک مشہور حکایت ہے، اس کو بھی ہر عورت سامنے رکھے۔

## ایک نہایت دلچسپ حکایت:

وہ دلچسپ اور عبرت آموز حکایت یہ ہے کہ ایک عورت نہایت حسین و جمیل تھی لیکن خاوند اسے اتنا ہی بدشکل اور بدصورت ملا۔ کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تو اتنی خوبصورت ہے اور تیرا خاوند اتنا بدصورت؟ تیرا گزارا اس کے ساتھ کس طرح ہو رہا ہے؟ اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: ہمارا گزارا بہت اچھا ہو رہا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ نے اس کو میرے جیسی حسین و جمیل بیوی عطا کر دی جس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مجھے اس جیسا بدصورت خاوند ملا تو میں نے اس پر صبر کیا، اور صابر و شاکر دونوں کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ دُنیا تو چند روزہ ہے، گزر ہی جائے گی، لیکن ہم دونوں صبر اور شکر کرنے کی وجہ سے جنت کے حق دار قرار پائیں گے۔

یہ حکایت جتنی دلچسپ ہے، اتنی ہی حکمت و موعظت سے لبریز ہے۔ کاش عورتیں احساسِ محرومی کے وقت اس میں پنہاں سبق کو حرزِ جان بنا لیں۔

۴۔ اگر مشترکہ گھر میں جیٹھ اور دیور اور ان کی بیویاں اور بچے بھی ہوں، تو یہاں بھی عورت چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب و احترام والے اس سبق کو یاد رکھے جس کی تلقین مذکورہ حدیث میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خوش اخلاقی اور خوش زبانی کا التزام کرے اور ان کے تقاضوں سے کسی بھی مرحلے پر انحراف نہ کرے۔

مشترکہ خاندان میں دونوں باتوں کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ اکٹھے

رہنے میں جہاں بہت سے فائدے یا مجبوریاں ہیں وہاں لڑائی جھگڑے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بعض دفعہ عورتوں میں باہم کسی بات پر تکرار ہوسکتی ہے۔ بھائیوں کے درمیان اختلافات ہوسکتے ہیں، بچوں کا آپس میں مل کر کھیلنا کودنا اور نادانی اور ناسمجھی میں ایک دوسرے کو زک پہنچانا، بچوں میں معمول کی بات ہوتی ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کا تقاضا ہے کہ بچوں کی لڑائی کو ایسا ہی سمجھا جائے جیسے بچپنے میں حقیقی بہن بھائی ایک دوسرے کو مار پیٹ لیتے ہیں یا زیادہ تیز طرار بچہ دوسرے بھولے بھالے بھائی کی چیزیں چھین لیتا یا زیادتی کرتا ہے تو ان کو ناسمجھ سمجھ کر برداشت کیا جاتا ہے۔ یہی رویہ سارے بھائیوں کے چھوٹے بچوں کے ساتھ اپنانا ضروری ہے، سب کو اپنے ہی بچوں کی طرح سمجھیں اور دیکھیں اور ان کی آپس کی باہمی معصومانہ لڑائیوں کو نظر انداز کریں اور ان کی لڑائی کو بڑوں کی لڑائی میں تبدیل نہ کریں اور نہ ہونے دیں۔

اس رویے کے اپنانے میں بڑوں کے ادب و احترام اور خوش اخلاقی وخوش زبانی کا بھی بڑا دخل ہے، کوئی بھی عورت ان کے تقاضوں سے بھی کبھی غفلت نہ برتے بلکہ ان خوبیوں کو اپنی سیرت و کردار کا حصہ اور زندگی کا معمول بنائے۔ یہ اللہ رسول کا بھی حکم ہے اور حکمت و دانش کا مظہر بھی۔ جس کے اختیار کرنے میں آخرت کی بھی بھلائی ہے اور دنیوی زندگی میں خیر اور فلاح کا ذریعہ بھی۔ اللہ کی نظر میں بھی پسندیدگی کا باعث ہے اور خاندان میں بھی عزت اور نیک نامی کا ذریعہ۔

((وَفَّقَ اللّٰهُ جَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى.))

۵۔ اگر خاوند کے وسائل الگ گھر لے کر الگ رہنے کے متحمل نہیں ہیں تو عورت خاوند کو کبھی بھی اس پر مجبور نہ کرے، بلکہ مذکورہ ہدایات کی روشنی میں مشترکہ طور پر ہی گزارا کرے تا آنکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرما دے۔

ہاں اگر خاوند کے وسائل اس امر کی اجازت دیں کہ وہ الگ مکان لے سکتا ہے

(کرائے پر یا خرید کر) اور وہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزارا کر سکتا ہے اور علیحدہ رہ کر والدین کی بھی حسب ضرورت اور حسب استطاعت خدمت کر سکتا ہے، تو شادی کے بعد علیحدگی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں علیحدگی بہتر ہے۔ایسی صورت حال میں والدین کو بھی بیٹے کو بہ رضا ورغبت علیحدہ رہنے کی اجازت دے دینی چاہیے۔

۶۔ بڑوں کے ادب واحترام کی بابت جو عرض کیا گیا ہے، ان میں ساس سسر (دولھا کے ماں باپ) سرفہرست ہیں۔سسرال میں آنے کے بعد عورت (دلھن) کے لیے یہ بھی اس کے لیے ماں باپ کے درجے میں ہیں۔اب اس گھر میں جس طرح یہ دولھا کے ماں باپ ہیں دلھن کے بھی ماں باپ ہیں۔ ماں باپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آنے والی دلھن کو بیٹی کی حیثیت دیں اور بیٹیوں والی شفقت اور پیار اسے دیں، اسی طرح عورت بھی ان کو زبان ہی سے امی، ابو نہ کہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان کو ماں باپ والا احترام (پروٹوکول) دے، ان کے ساتھ گستاخانہ رویہ کسی حال میں بھی روا نہ رکھے۔ساس اس کو امور خانہ کے بارے میں جو ہدایات دے، ان کو بہ صمیم قلب قبول کرے، ان کو بروئے کار لانے میں عملاً کوئی کوتاہی نہ کرے، ساس کو بار بار سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ یہ ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بہو ان ہدایات کی نہ پرواہی کرتی ہے اور نہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنا رویہ ہی تبدیل کرتی ہے۔حالانکہ ان ہدایات کا مقصد عام طور پر بہو کی اصلاح، گھر کی اصلاح اور روز مرہ کے معمولات میں پیش آنے والی کوتاہیوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ان ہدایات کی پابندی اور سنجیدگی سے ان پر عمل کرنے سے بہو کے کردار ہی میں بہتری آتی ہے اور گھر والوں کی نظر میں اس کی عزت اور احترام میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

لیکن بار بار کے سمجھانے کے باوجود اگر بہو اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اس سے یقیناً وہ گھر والوں کی نظر میں اس احترام سے محروم ہو جاتی ہے جو اس کا حق ہے اور جو اس کو اس گھر میں ملنا چاہیے۔لیکن اس کی وجہ اس کی اپنی کوتاہی ہی ہے جو کسی سمجھ دار بہو سے متوقع نہیں ہے، علاوہ ازیں بہو کا یہ کردار بھی گستاخی پر مبنی ہے۔ساس، جو بمنزلہ ماں ہے، اس کو ایک بات بار بار سمجھاتی ہے لیکن وہ اس کو اختیار نہیں کرتی، اس کے مطابق اپنی اصلاح نہیں کرتی تو

یقیناً یہ گستاخی ہے جس کی نہ شرعاً اس کو اجازت ہے نہ اخلاقاً اور نہ مصلحتہً۔

مصلحت تو اسی میں ہے کہ وہ ساس کی سمجھائی ہوئی باتوں کو اہمیت دے، آخراب دلھن نے اسی گھر میں رہنا ہے تو پانی میں رہ کر مگر مچھ سے بیر رکھنا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ ساس کا قرار واقعی احترام کر کے اس کے دل میں اپنا مقام اور اپنا وقار بنائے، یہی دانش مندی ہے، یہی عزت و وقار کا باعث اور امن وسکون کی خوش گوار فضا قائم کرنے اور قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اسی میں خاوند کی بھی رضا مندی ہے اور اس کی رضامندی، احکام شریعت کی پابندی کے بعد، جنت کی ضمانت ہے۔

## میاں بیوی کی رنجش میں میکے والوں کا کردار

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا تمہارے عم زاد کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

((كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْئٌ فَغَا ضَبَنِيْ فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِيْ.))

''میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہوگئی تھی تو وہ گھر سے غصے میں چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے کہا ان کو دیکھو! وہ کہاں ہیں؟

اس نے آکر بتلایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہ واقعی وہاں سوئے ہوئے ہیں، ان کی چادر (نیند کی وجہ سے) ان کے پہلو سے گری ہوئی ہے اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قُمْ اَبَا تُرَابٍ قُمْ اَبَا تُرَابٍ.))

''ابوتراب اُٹھو! ابوتراب اُٹھو!'' [صحیح البخاری، الصلاۃ، باب نوم الرجال فی المسجد، حدیث: ۴۴۱]

اس وقت سے ان کی یہ کنیت مشہور ہو گئی اور چونکہ اس کنیت سے آپ کو خطاب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اس لیے یہ کنیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی۔

ابوتراب کے معنی ہیں مٹی والے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرشِ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور چادر جسم سے اتر جانے کی وجہ سے جسم پر مٹی لگ گئی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابوتراب سے خطاب فرمایا۔

اس واقعے میں یہ نہایت اہم سبق پنہاں ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اگر کوئی رنجش ہو جائے اور لڑکی کے گھر والوں کو اس کا علم ہو جائے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ بچی کو فوراً اپنے گھر لے آؤ، یا بچی از خود خاوند کے گھر سے نکل کر میکے چلی آئے۔ بلکہ عورت گھر ہی میں رہے، عورت کے گھر والے بھی اسے اپنے خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیں، البتہ پہل کر کے خاوند سے رابطہ کریں اور میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی رنجش کو دور کر دیں اور اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

ہمارے پاس ایسی صورت میں اس کے برعکس بالعموم یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو اپنے گھر لے آتے ہیں یا بعض لڑکیاں اتنی جسارت کرتی ہیں کہ از خود اپنے میکے آجاتی ہیں۔ ماں باپ بیٹی کی محبت میں اس کے اس غلط اقدام کی حمایت کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، یوں معاملہ بگڑ جاتا ہے اور اختلاف کی چنگاری شعلہ بن جاتی ہے۔ جس سے بعض دفعہ گھر ہی بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بیٹی کی یہ محبت نادانشی پر مبنی ہے اور اس قسم کا فیصلہ، جلد بازی کا مظاہرہ ہے۔ نہ یہ بے دانشی صحیح ہے اور نہ یہ جلد بازی ہی مناسب ہے۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیٹی کا گھر آباد ہی رہے، یہ جذبہ تمام باتوں پر غالب رہے۔ اس کے لیے بہتر حکمت عملی یہی ہے کہ بچی کو ہر حالت میں سسرال ہی میں رہنے دیا جائے، اگر وہ خود آجائے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے فوراً سسرال پہنچا دیا جائے اور مناسب انداز سے باہم پیدا ہونے والے اختلاف کو

دور کرنے کی سعی کی جائے، بیٹی کی غلطی ہو تو اس کی سرزنش کی جائے۔ سسرال والوں کی غلطی ہو تو ان کو سمجھایا جائے۔ لیکن کسی حالت میں بھی بچی کو نہ خود گھر میں لا کر بٹھائیں اور نہ بچی کو گھر میں آنے دیں۔ بچی سے محبت کا صحیح تقاضا اس کے گھر کو آباد رکھنا ہے نہ کہ اس کی حوصلہ افزائی کر کے اس کے گھر کو اُجاڑنا۔

شریعت اسلامیہ نے تو اس نکتے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق میں بھی، جن میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، یہ حکم دیا ہے کہ مطلقہ کو خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیا جائے۔ طلاق مل جانے کے باوجود والدین اس کو اپنے گھر مت لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ ﴾

”(طلاق کے بعد) ان کو ان کے (اپنے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اور بات ہے (پھر نکالنے کا جواز ہے)۔“

# برائی ومنکرات پر مشتمل شادی تقریب کے بارہ میں مستقل فتاوی کمیٹی (سعودی عرب) کا فتویٰ

اگر شادی کی تقریبات برائی ومعصیت مثلاً مرد وعورت کے اختلاط اور گانے بجانے اور رقص وغیرہ سے خالی ہوں یا پھر اگر وہاں جائیں اور جاکر اس برائی کو روک دیں تو پھر وہاں اس خوشی میں شامل ہونا جائز ہے، بلکہ اگر وہاں کوئی برائی ہو جس کو ختم کرنے پر آپ قادر ہوں تو وہاں آپ کا جانا واجب ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر تقریبات میں ایسی برائی ہو جس کو آپ روک نہیں سکتے تو آپ کے لئے وہاں جانا حرام ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا عمومی فرمان ہے:

(اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے، اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب (اس طرح) پھنس نہ جائے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی) (الانعام ٧٠)

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی مذاق بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے) (لقمان ٦)

گانے بجانے اور موسیقی کی مذمت میں وارد شدہ احادیث بہت ہیں۔

(ماخوذ از: فتاوی المراۃ المسلمۃ جمع و ترتیب محمد المسند(٩٢))

**تنسیق اسلام ہاؤس ویب سائٹ**

# صدقہ جاریہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ . قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا مَاتَ ابْنُ اٰدَمَ انْقَطَاعَ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ ، صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْعِلْمٍ یُّنْتَفَعُ بِہٖ، اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ یَّدْعُوْا لَہٗ. (رواہ مسلم)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین چیزوں کا (ثواب جاری رہتا ہے) (۱) صدقہ جاریہ (۲) فائدہ مند علم (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔“ (مسلم)

صدقہ جاریہ وہ صدقہ ہوتا ہے جس کا نفع تا دیر جاری و ساری رہے جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں بندے کو اس کا اجر ملتا رہتا ہے۔ قرآن مجید اور دینی علم سے منور کتابیں وقف کرنا بھی ایک اچھا صدقہ جاریہ ہے کیوں کہ جو بھی ان کتابوں سے فائدہ اٹھائے گا بندے کو اسکا اجر ملتا رہے گا۔

علم دین خود حاصل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا اس کا نفع بھی قیامت تک انشاء اللہ جاری و ساری رہے گا۔ درجہ بدرجہ ہر مسلمان کی ذمہ داری تو ہے ہی لیکن ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خود بھی قرآن اور حدیث کا علم حاصل کریں اور اس کے مطابق عمل بھی کریں اور کتابی صورت میں بھی دوسرے مسلمان بھائیوں تک پہنچائیں۔

اپنی طرف سے اور اپنے پیاروں کی طرف سے صدقہ جاریہ بنانے کے لئے یہ کتاب حاصل کرنے کے لئے رابطہ کریں۔ کتاب خود پڑھ کر کسی اور کو دے دیں۔

خلیل احمد ملک

0333-4222678

خبیب پرنٹرز۔ اردو بازار لاہور 0300-5428755